قرآن کی بعض صفات

نعیم الدین اصلاحی

(قسط ۲)

مجید

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے یہ بات پورے طور پر سامنے آتی ہے کہ قرآن کو جو لوگ اللہ کی کتاب مانتے ہیں ان پر کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اب مختصراً یہ جان لیجئے کہ قرآن کے ساتھ چند اور الفاظ مل کر آتے ہیں۔ مثلاً سورہ ق اور سورہ البروج میں آیا ہے:

وَالقرآنِ المَجِید

بَل هُوَ قرآنٌ مَجِید

مجید کے معنی

مجید کے معنی بلند' بزرگ اور اونچا کے بھی آتے ہیں اور حد درجہ سخی اور فیاض کو بھی کہتے ہیں بلکہ کلامِ عرب میں دوسرے معنوں میں زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

لسان العرب میں ہے:

المجد	المروة والسخاء	مجد کے معنی سخاوت اور آدمیت کے ہیں۔
الماجد	مفضال' کثیر الخیر	
المجید	مفعل منه	ماجد حد درجہ سخی اور فیاض کو کہتے ہیں اور مجید اسی کا مبالغہ ہے۔

غور کیجئے کہ جب ہم اس کتاب کو قرآن مجید کہتے ہیں تو ہم پر کیا لازم آتا ہے' کیا ہمارا فرض یہ نہیں بن جاتا کہ ہم اپنی ضرورتیں اور مشکلات اسی کے سامنے پیش کریں۔ کیا یہ ہمارے لیے ضروری نہیں ہے کہ جو کچھ مانگنا ہو اسی سے مانگیں کیونکہ یہ کتاب اپنے پاس خزانہ رکھتی ہے اور

حد درجہ فیاض اور سخی بھی ہے۔

ذرا غور کیجئے کہ وہ لوگ جو اس کتاب کو اپنی بغل میں لیے ہوئے ہیں اور پھر اپنی زندگی کی مشکلیں حل کرنے کے لیے دوسری کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں کیا وہ جھوٹے نہیں ہیں اگر اس کتاب کو قرآن مجید کہتے ہیں ؟ وہ دغا بازی کرتے ہیں اگر رزق کا خزانہ رکھتے ہوئے دوسرے دروازوں پر کاسہ گدائی لیے پھرتے ہیں۔

الکریم

قرآن مجید کی ایک صفت کریم بھی آئی ہے۔ سورہ واقعہ میں فرمایا:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ (۵۶ : ۷۷)

کریم کا ترجمہ عام طور پر بزرگ سے کیا جاتا ہے لیکن حقیقت میں کریم اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے اندر وہ تمام اخلاقی خوبیاں رکھتا ہو جو ایک انسان کے اندر ہونی چاہئیں چنانچہ لسان العرب میں ہے :

الکریم الجامع لکل انواع الخیر والشرف والفضائل

قرآن کو کریم اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے اندر وہ تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں جو ایک آسمانی کتاب میں ہونی چاہئیں۔ قرآن کریم کے ہوتے ہوئے اپنے اخلاق کو سنوارنے اور قلب و روح کو پاکیزہ کرنے کے لیے کسی اور کتاب کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

الحکیم

عربی زبان میں حکیم اس شخص کو کہتے ہیں جس کی زندگی مہذب ہو' اچھے اخلاق اس سے پھوٹتے ہوں' اس کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہ ہو۔ قرآن کو حکیم کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جو آدمی کے قلب میں وہ استعداد' صلاحیت' اور حکمت و بصیرت پیدا کرتی ہے جس کی مدد سے وہ ہر جگہ حق و باطل میں تمیز کر لیتا ہے۔ یہ کتاب آدمی کو وہ اصول فراہم کرتی ہے جو اس کی زندگی سنوارتے اور مہذب بناتے ہیں۔ اس کتاب کو کتابِ حکیم اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب سچی کتاب ہے' اس میں جتنی چیزیں ہیں سب کی سب سچی ہیں۔ جھوٹ کی آمیزش ہرگز نہیں ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو ہمارے قضیوں اور جھگڑوں کا نہایت ہی حکمت اور بصیرت کے ساتھ فیصلہ کرتی ہے۔

ان صفات کے علاوہ قرآن مجید کی کچھ اور صفات بھی ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں بار بار ہوا ہے۔

النور

اس کتاب کی نہایت نمایاں اور ابھری ہوئی صفت نور ہے' نور کے معنی روشنی کے ہیں' روشنی کس لیے ہوتی ہے ؟ ہم سبھی جانتے ہیں کہ جب رات اندھیری ہو' راستہ نظر نہ آتا ہو اور ہولناک اور پر خطر بھی ہو تو ایسی حالت میں روشنی کی سخت ضرورت ہوتی ہے جس سے آدمی اپنا راستہ آسانی سے طے کرسکے۔ یہ کتاب بھی آدمی کے لیے روشنی کا کام دیتی ہے' راستہ دکھاتی ہے' مشکلوں کو حل کرتی ہے' خطرات کی جگہ سے آگاہ کرتی ہے' سفر کو آسان کرتی ہے' منزل تک پہنچاتی ہے۔

سورہ مائدہ میں فرمایا:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (المائدۃ ۵ : ۱۵)

یعنی تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی یعنی ایک واضح کتاب آگئی ہے۔

ایک دوسری جگہ فرمایا:

اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (النساء ۴ : ۱۷۴)

اسی طرح اس کو بہت سی جگہوں پر نور کہا گیا ہے اور قرآن میں جہاں اس کو نور کہا گیا ہے وہیں اس کا تقاضا بھی رکھ دیا گیا ہے مثلاً سورۃ التغابن میں ہے:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا (۶۴ : ۸)

اے لوگو ! اللہ اور اس کے رسول پر سچائی کے ساتھ ایمان لاؤ' خدا کی توحید اختیار کرو اور اس کے رسول کی فرمانبردارانہ اطاعت کرو اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا ہے یعنی اس نور سے روشنی حاصل کرو' اس کے ذریعہ اپنے دل کی تاریکیوں کو دور کرو۔

سورۃ الشوریٰ میں فرمایا:

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا (۴۲ : ۵۲)

اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی یہ وحی وہ کتاب نور ہے جس سے آدمی سیدھے راستے پر چل سکتا ہے۔ سورہ اعراف میں اس کتاب کو نور فرمانے کے بعد اس کی پیروی کرنے پر کامیابی کی خوشخبری سنائی ہے:

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۷ : ۱۵۷)

یعنی جو لوگ اس آخری پیغمبر پر ایمان لائیں گے اور اس کی توقیر کریں گے اور جہاد کرنے میں اس کی مدد کریں گے اور اس کی روشنی کے پیچھے چلیں گے جو اس پیغمبر پر اتاری گئی ہے تو وہی لوگ دائمی کامیابی پائیں گے۔

اس آیت میں روشنی کے پیچھے چلنا یعنی روشنی کو آگے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو اس روشنی کو چھپائے اور کسی طرح اس پر پردہ ڈال دے تاکہ روشنی کے پیچھے نہ چلے بلکہ خود اس کے آگے چلے اور روشنی کو اپنے پیچھے چلائے تو وہ جھوٹا ہے جو اپنی زبان سے اسے نور کہتا ہے۔ ایسے لوگوں کی پوری زندگی تاریکیوں میں گزرتی ہے' سماج کی تاریکیوں میں' رسوم و رواج کی تاریکیوں میں' انسانی خواہشات کی تاریکیوں میں اور نہ جانے کن کن تاریکیوں میں ـــــ مگر ـــــ صد افسوس! اس پر بھی وہ اپنے آپ کو روشن ضمیر' روشن دماغ سمجھتے ہیں' اور اپنی زندگی کو کامیاب زندگی کہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے سلسلے میں قرآن کا ارشاد ہے:

أَوْ كَظُلُمٰتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَآ أَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝ (سورۃ النور ۲۴ : ۴۰)

یعنی ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گہرے سمندر کے اندر تاریکیاں ہوں' موج کے اوپر موج اٹھ رہی ہوں' اوپر سے بادل چھائے ہوئے ہوں' تاریکیوں پر تاریکیاں چھائی ہوئی ہوں' اگر اپنا ہاتھ نکالے تو اس کو بھی نہ دیکھ پائے اور جس کو اللہ روشنی نہ بخشے تو پھر اس کے لیے کہاں روشنی؟

النعمۃ والرحمۃ

یہ کتاب نعمت اور رحمت بھی ہے' رحمت اس لیے کہ ان کا خالق و مالک رحیم بھی ہے' اس کی رحمت کا تقاضا ہے کہ اس نے اپنے بندے کو زندگی کی تاریکیوں میں اِدھر اُدھر بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑا بلکہ زندگی گزارنے کے لیے ایک اعلیٰ دستور العمل اور ایک بلند پایہ نظامِ زندگی دیا۔ اسی وجہ سے ارشاد فرمایا:

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ (۳۶ : ۵)

یعنی یہ کتاب انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ایک غالب اور حد درجہ مہربان ہستی کی طرف سے اتاری گئی ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ (۵۵ : ۱ - ۴)

وہ نہایت رحم والا ہے' اسی نے قرآن کی تعلیم دی' انسان کو پیدا کیا اور اسے قوت گویائی جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی۔

اور یہ کتاب اس پہلو سے بھی رحمت ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت انہیں لوگوں کو حاصل ہوگی جو اس دنیا میں اس کتاب پر عمل کرتے ہوئے خدا کے حضور حاضر ہوں گے۔

یہ کتاب نعمت بھی ہے اور سب سے بڑی نعمت کا تقاضا ہے کہ آدمی نعمت بخشنے والے کا شکر ادا کرے اور سب سے بڑی نعمت کا شکر یہ ہے کہ آدمی اس کتاب کی بتائی ہوئی راہ پر چلے اور یقین و اعتماد رکھے کہ زندگی کا وہی راستہ صحیح اور حق ہے جو یہ کتاب بتاتی ہے اور جو شخص کوئی اور راستہ اختیار کرے یا کچھ دور تک خدا کے بتائے ہوئے راستے پر چلے اور پھر کہیں انسانی راستے پر چل پڑے تو وہ ناشکرا ہے اور جھوٹا ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہ کتابِ ہدایت ہمارے لیے سب سے بڑی نعمت ہے۔

حبل اللہ

سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعاً (۳ : ۱۰۳)

اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔

اس آیتِ کریمہ میں حبل اللہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا معنی کیا ہے ؟ اس کی وضاحت خود پیارے رسولؐ نے فرما دی ہے:

القران حبل اللہ المتین لا تنقضی عجائبہ ولا یخلق عن کثرۃ الرد من قال بہ صدق ومن عمل بہ رشد ومن اعتصم بہ ھدی الی صراط مستقیم (الکشاف ج ۹' ص ۳۰۶)

قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوسکتے اور یہ ایسا لباس ہے جو کثرتِ استعمال سے پرانا نہیں ہوتا ہے۔ اور جس کی گفتگو اس کے مطابق ہوگی وہ سچا ہوگا' جو اس پر عمل کرے گا وہ کامیاب ہوگا اور جو اس کی پناہ میں آئے گا اس کو صراط مستقیم کی ہدایت ملے گی۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو شریح خزاعی فرماتے ہیں:

خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال الیس تشھدون ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ قالوا بلی! قال ان ھذا القران طرفہ بید اللہ وطرفہ بایدیکم

فتمسکوا بہ فانکم لن تضلوا و لن تھلکوا ابدا۔

ایک دن نبیؐ اپنے حجرے سے نکل کر ہم لوگوں کے پاس آئے اور فرمایا کہ کیا تم لوگ گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور کیا گواہی نہیں دیتے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ لوگوں نے جواب دیا ہاں ہم لوگ ان دونوں کی گواہی دیتے ہیں۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا دیکھو اللہ کی کتاب ---- قرآن ---- کا ایک سرا تو اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ پس قرآن کو مضبوطی سے تھامے رکھنا تو نہ کبھی گمراہ ہوگے نہ تباہ ہوگے۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مولانا جلیل احسن ندوی فرماتے ہیں :

یہ حدیث قرآن مجید میں واعتصموا بحبل اللّٰہ کی بہترین تفسیر کرتی ہے : قرآنِ مجید دراصل ایک رسی ہے جس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں اور دوسرا اہلِ ایمان کے ہاتھوں میں ہے۔ جب تک مسلمان اس کو مضبوطی سے تھامے رکھیں گے انہیں خدا کی مدد ملتی رہے گی اور دنیا میں بھی عزت و سربلندی اور آخرت میں بھی ابدی راحت نصیب ہوگی ۔ "حبل" کے معنی معاہدے کے بھی آتے ہیں اور معلوم ہوا معاہدہ ایک طرفہ نہیں ہوتا۔ بس حضورؐ کے ارشاد کا مدعا یہ ہے کہ قرآن دراصل ایک عہدنامہ ہے۔ یہ ایک معاہدہ کی دستاویز ہے جو مسلمانوں اور رب کائنات کے درمیان طے پایا ہے۔ اس دستاویز میں دو موٹی دفعات ہیں۔ پہلی دفعہ مسلمانوں کے متعلق ہے اور دوسری دفعہ کا تعلق خدا سے ہے۔ مسلمانوں سے متعلق دفعہ میں تحریر ہے کہ اے اللہ ہم تیری کتاب کی روشنی میں زندگی گزاریں گے، تیرے جملہ احکام کو مانیں گے، تیرے بندے بن کر جئیں گے، اور تیری بندگی کی حالت میں مریں گے۔

اور خدائی دفعہ میں درج ہے کہ جب تک تم عہد پر قائم رہو گے تب تک میں دنیا میں تمہارا حامی و ناصر رہوں گا، دشمن کے مقابلے میں تم کو غالب و کامران بناؤں گا۔ لیکن اگر تم نے اپنے عہد میں خیانت کی تو بقدرِ خیانت میری حمایت و نصرت سے محروم ہوجاؤ گے اور عہد شکنی کی تو میری حمایت و نصرت سے کُلی طور پر محرومی تمہارا مقدّر بن جائے گی۔" (سفینۂ نجات، ص ۳۴)

الذکر

قرآن مجید اپنی ایک صفت ذکر اور ذوالذکر بھی بتاتا ہے۔ ذکر کے معنی یاد دلانے کے ہیں۔

یعنی آدمی کے خمیر میں جو باتیں گوندھ دی گئی ہیں اور جنہیں وہ اس دنیا میں پھنس کر بھول گیا ہے۔ انہیں باتوں کو یہ کتاب یاد دلاتی ہے۔ اوپر سے کوئی چیز آدمی پر نہیں لادتی بلکہ جو کچھ انسانی فطرت میں ہے اس کو ابھارتی ہے اور اس کی تفصیلات پیش کرتی ہے۔ آدمی کی فطرت میں توحید خالص رکھ دی گئی ہے اور اس کی جڑیں انسانی فطرت میں اتنی گہری ہیں کہ کوئی چیز بھی اب تک اکھاڑ نہیں سکی ہے۔

یہ کتاب --- قرآنِ مجید --- اس کو' جو کبھی دنیا میں پھنس جانے کی وجہ سے دب جاتا ہے۔ زمین و آسمان کی نشانیوں کے ذریعہ ابھارتی ہے' اور صحیح طور پر استعمال کرنے کی تفصیلات پیش کرتی ہے۔

یہ کتاب اس بات کو بھی بار بار بیان کرتی ہے کہ انسان اس کائنات میں اشرف المخلوقات ہے۔ دنیا کی ساری چیزیں اسی کی خدمت پر مامور ہیں۔ آفتاب و ماہتاب کی گردش' رات اور دن کا آنا جانا' ہواؤں کا چلنا' بادلوں کا مینہ برسانا' پھر کھیتوں کا سرسبز و شاداب ہونا' باغ و چمن' دریا اور پہاڑ' نیلا آسمان' چمکتے تارے' نسیم سحری' پھولوں کی خوشبو' پرندوں کے نغمے سب اسی گل سرسبد --- انسان --- کی نفع رسانی کے لیے ہیں۔ ان میں سے کوئی شے بھی انسان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی' اور پھر انسان کی کتنی بڑی نادانی ہے کہ عظمت و سربلندی کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا ہے اور وہ حقیر سے حقیر مخلوق کے سامنے جھکتا ہے۔

یہ کتاب گزشتہ قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ اور ان کے اچھے اور برے اعمال اور ان کے نتائج کو بڑی قوت کے ساتھ پیش کرتی ہے۔ اس پہلو سے بھی قرآن کو ذکر یا ذوالذکر کہا گیا ہے۔

الشفاء

قرآن کی ایک صفت الشفا بھی ہے۔ سورہ یونس میں ہے:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (۱۰ : ۵۷)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت' سینوں کے امراض کے لیے شفا اور اہلِ ایمان کے لیے ہدایت و رحمت آگئی ہے۔

شفا کے معنی "اچھا کرنے" اور بیماری دور کرنے اور سکون بخشنے کے ہیں۔ بیماریاں دو طرح کی

ہوتی ہیں۔ ایک وہ بیماری جو انسان کے جسم کو لاحق ہوتی ہے اور چونکہ ہلکی اور معمولی ہوتی ہے اسی لیے اس کا علاج اللہ تعالیٰ نے انسانی عقل کے حوالے کردیا' یعنی انسان کو اپنی عقل کی مدد سے اپنی جسمانی بیماریوں کے سلسلے میں سوچنا ہے' اس کی تدبیر کرنی ہے اور پھر اس کا علاج کرنا ہے۔ دوسری قسم کی بیماریاں ہیں جو انسان کی روح اور اس کے اخلاق کو لگتی ہیں۔ یہ بیماریاں سخت پیچیدہ ہوتی ہیں اور ان کا علاج عقلِ انسانی کی دسترس سے باہر ہوتا ہے۔ عقل میں سرے سے یہ صلاحیت ہی نہیں کہ وہ ان بیماریوں کی صحیح تشخیص کرسکے اور مکمل اور کامیاب نسخہ لکھ سکے۔ اس لیے خدائے علیم و خبیر نے ان بیماریوں کا علاج اپنے ذمہ لیا ہے اور اس کے لیے اس نے رسول بھیجے اور کتابیں اتاریں۔

یہ کتاب قرآن مجید انسانی بیماریوں کا علاج کرتی ہے۔ ان کی فکری بیماریوں کو دور کرتی ہے۔ امن کی طاقت بخشتی ہے۔ نڈھال آدمی کو بھلا چنگا کرتی ہے' لاغری اور کمزوری کو دور کرتی ہے اور آدمی کو اوہام و خرافات اور بت پرستی کے اندھیروں سے نکالتی ہے اور انسانوں کے درمیان اتفاق اور بھائی چارے کا تعلق قائم کرتی ہے' پھر ایمان لانے والوں کے دلوں میں جو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں ان کا علاج کرتی ہے' سخت' پریشان کن اور غیر یقینی حالات میں ان کے دلوں کو سکون بخشتی ہے۔ جو فرد اور گروہ بھی اس نسخے پر عمل کرے گا اس کے قلوب و اذہان ہر طرح کی خرابیوں اور بیماریوں سے پاک ہوجائیں گے۔

آیت کریمہ میں (شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ) ہے۔ فی الصدور کی وضاحت کرتے ہوئے امام الہند مولانا آزاد فرماتے ہیں :

> یاد رہے کہ عربی میں قلب' فواد اور صدور کے الفاظ جب کبھی ایسے مواقع پر بولے جاتے ہیں جیسا کہ یہ موقع ہے تو ان سے مقصود انسان کی معنوی حالات ہوتی ہے۔ یعنی ذہن و فکر کی قوت' عقل و ادراک' جذبات و عواطف' اخلاق و عادات' اندرونی حسیات۔

وہ عضو مقصود نہیں ہوتا جو فنِ تشریح کا دل اور سینہ ہوتا ہے۔ بس دل کی شفا کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کی فکری و اخلاقی حالت میں جس قدر مرض ہوسکتے ہیں۔ ان سب کے لیے یہ نسخۂ شفا ہے۔ یہ قرآن کے اوصاف کا محض مدعیانہ اعلان ہی نہ تھا بلکہ اس کی صداقت کی سب سے زیادہ موثر دلیل بھی تھی۔ اگر ایک شخص دعویٰ کرلے کہ وہ طبیب ہے تو سب سے زیادہ سہل اور قطعی ذریعہ اس کی جانچ کا یہ ہوگا کہ دیکھا

جائے کہ اس کے علاج سے بیماروں کو شفا ملتی ہے یا نہیں۔ اگر تم دیکھو کہ موت کی آغوش میں پہنچے ہوئے بیمار اس کے شفا خانہ میں داخل ہوئے اور تندرست ہو کر نکلے تو تسلیم کرلو گے کہ یہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔

قرآن نے بھی جابجا یہی جانچ اپنے منکروں کے سامنے پیش کی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ میں نسخۂ شفا ہوں اور ثبوت میں مومنوں اور متقیوں کی جماعت پیش کردی جو اس کے دارالشفاء میں تیار ہوئی تھی کہ دیکھ لو کہ یہ تندرست ہوئے ہیں کہ نہیں؟ آج بھی اس کی دلیل اسی طرح قطعی ہے جس طرح عہدِ نزول میں تھی۔ اگر اس نے عربِ جاہلیت کے مریضانِ روح و دل میں سے ابوبکرؓ' عمرؓ' علیؓ' خالدؓ' سلمانؓ' ابوذرؓ وغیرہم جیسی تندرست روحیں پیدا کردی تھیں تو کیا اس کے نسخۂ شفا ہونے میں شک کیا جاسکتا ہے؟ (ترجمان القرآن' ج ۳' ص ۲۳ - ۵۲۲)

آج پوری دنیائے انسانیت سخت اور پیچیدہ' روحانی اور اخلاقی بیماریوں کی لپیٹ میں ہے۔ دور دور تک تندرستی' صحت اور شفاء کی کوئی علامت نظر نہیں آرہی ہے اور دنیا کے بڑے بڑے مفکرین جس قدر اس کے علاج کی کوشش کررہے ہیں مرض بڑھتا ہی چلا جارہا ہے اور حیرت تو یہ ہے کہ مریض تھک ہار کر پھر اسی عطّار سے دوا لینے پر مجبور ہے جس نے اسے مہلک بیماری میں ڈالا ہے۔ آخر اس کا سبب کیا ہے؟ کیا اس کی وجہ اس کے علاوہ بھی کوئی ہوسکتی ہے کہ وہ ماہر اور حاذق طبیب جو لوگوں کی بیماریوں کا واحد علاج تھا اس نے اپنی دکان ہی سمیٹ لی۔

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

اگر آج عالمِ اسلام نے اپنی روحانی اور اخلاقی صحت مندی کا ثبوت دیا ہوتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ روس سے چھٹکارا پانے والی مسلم ریاستیں پھر اپنے سیاسی' معاشی اور معاشرتی مسائل کے حل کے لیے مغربی تمدن و معاشرت کو اپنے لیے پسند کرتیں۔ (جاری ہے)

بقیہ: مولانا سید احمد عروج قادری مرحوم

کر اپنے خالق کے حضور جا پہنچے۔ کچھ عرصہ پہلے دورانِ سفر جو حادثہ ان کو پیش آیا وہ فی الحقیقت سفرِ آخرت کی تمہید تھا اور اس دنیا میں ان کی آخری آزمائش بھی۔ اللھم اغفرلہ وتقبل حسناتہ!

مولانا مرحوم کا خیال آتا ہے تو اس کے ساتھ ہی علامہ اقبال کے یہ دو شعر سطحِ ذہن پر ابھر آتے ہیں

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم — رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو' وہ شبنم — دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں' وہ طوفان